© rasailojaraid.com

نور محمد قریشی ایڈووکیٹ

لیڈرانِ کرام کیا جانیں.....؟

(بہ سلسلہ مولانا ابوالکلام آزاد)

روزنامہ ''خبریں'' لاہور کی ۱۵، ۱۶، ۱۷ جون (۲۰۰۱ء) کی اشاعت میں ''آتش فشاں'' والے منیر احمد منیر صاحب کا ایک مضمون ''مولانا آزاد کو یہ آواز کانگریس کے پلیٹ فارم سے بلند کرنا چاہئے تھی'' تین اقساط میں شائع ہوا ہے۔ جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ اگر مولانا ابوالکلام آزاد ۱۹۴۷ء میں تقسیمِ ہند کے وقت، پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے خلاف تھے تو اس مقصد کے لئے انہیں کانگریس کے پلیٹ فارم سے یہ آواز بلند کرنا چاہئے تھی۔ چونکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا تھا اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بنگال اور پنجاب کی تقسیم کے خلاف نہیں تھے۔ منیر صاحب نے بہت عمدہ مضمون لکھا ہے اور اپنے دعوے کو ثابت کر دیا ہے لیکن اس مسئلہ کے دوسرے پہلو کے بارے میں مجھے بھی کچھ عرض کرنا ہے۔

منیر صاحب نے اپنے مضمون کی ابتداء جمعیت علماء اسلام کے رہنماء حافظ حسین احمد کے اس بیان سے کی ہے کہ ''مجھے دو قومی نظریے کا علم نہیں کہ یہ کیا ہوتا ہے'' جہاں تک میں نے اس موضوع پر مطالعہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ تقسیمِ برصغیر سے قبل ہمارا موقف یہ تھا کہ قوم مذہب سے بنتی ہے نہ کہ وطن سے۔ چونکہ ہندوستان میں دو مذاہب (ہندو اور مسلم) کے ماننے والے رہتے ہیں اس لئے ہندوستان میں دو جداگانہ اقوام رہتی ہیں۔ مان لیا کہ قوم مذہب سے بنتی تھی یا بنتی ہے لیکن ہندوستان میں ہندو کے علاوہ دوسرے مذاہب کے ماننے والے مثلاً سکھ، عیسائی، پارسی، بدھ اور جین مذاہب کے بھی پیروکار تھے۔ سوال یہ ہے کہ یہ سب اختلافِ مذہب کے باوجود مسلمانوں کے مقابلہ میں ہندو کے ساتھ مل کر ایک قوم کیسے بن گئے؟ اس طرح تو دو قومی نظریہ کی جگہ کثیر القومی نظریہ ہونا چاہئے تھا۔ یہ بھی مان لیا کہ برصغیر میں صرف دو مذاہب کے ماننے والے ہی تھے ہندو اور مسلم۔ مسلمان اپنے مذہب اسلام کے پیروکار ہونے کی وجہ سے ایک الگ قوم تھے، ہندو الگ قوم تھے۔ سوال یہ ہے کہ کیا صرف برصغیر کے مسلمان ہی اپنے مذہب کی بنا پر ایک الگ قوم تھے یا پوری دنیا کے مسلمان ایک الگ قوم تھے۔ اگر پوری دنیا کے مسلمان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے قبل ایک قوم تھے تو آج بھی پوری دنیا کے مسلمان ایک قوم ہونا ضروری ہیں لیکن یہ خلاف واقعہ ہے۔ ایران والوں سے دریافت کریں تو ان کا جواب یہ ہے کہ ہم تو اسلام سے قبل بھی ایرانی تھے اور اسلام کے بعد بھی ایرانی ہیں۔ عربوں سے دریافت کرلیں تو وہ بھی یہی کہیں گے کہ ہم اسلام سے پہلے بھی عرب تھے اور اسلام کے بعد بھی عرب ہیں۔ ترکی کا ذکر کیا کریں کہ وہاں تو اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھی قابلِ دست اندازئ پولیس جرم بن گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ صرف برصغیر کے مسلمان ہی بربنائے مذہب ایک قوم تھے تو کیا آج بھی پورے برصغیر کے مسلمان ایک قوم ہیں یا اب وہ تین اقوام میں تقسیم ہو گئے ہیں؟ اگر آج پورے برصغیر کے مسلمان ایک نہیں بلکہ تین اقوام میں تقسیم ہیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ دو قومی نظریہ ایک وقتی اور اضافی نظریہ تھا جو ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کی شام کو ختم ہو گیا تھا؟ کیا اب پاکستان میں ہم مذہب کی بنیاد پر ایک قوم کی تشکیل کر رہے ہیں، یا وطن کی بنیاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے بارے میں منیر احمد منیر صاحب یا کسی دوسرے دانش ور کو اظہارِ خیال کرنا چاہئے۔

جہاں تک مولانا آزاد کا تعلق ہے، ان کے کسی عقیدت مند کو پسند ہو یا ناپسند، حقیقت بہرحال یہی ہے کہ مولانا آزاد تقسیم ہند کے خلاف تھے۔ وہ دو قومی نظریہ کو غلط خیال فرماتے تھے۔ یہ ان کا نقطۂ نظر تھا جو غلط بھی ہو سکتا تھا۔ اگر مولانا آزاد نے تقسیمِ پنجاب اور تقسیم بنگال کے خلاف آواز بلند نہیں کی تو ہمیں ان سے شکایت نہیں ہو سکتی۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہماری قیادت کو یہ اندازہ تھا کہ پنجاب اور بنگال تقسیم بھی ہو سکتے ہیں، اوراس کے نتیجہ میں مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ سکتی ہے؟ کیا ہماری قیادت نے اس کا کوئی بندوبست کیا تھا کہ اگر اسے وہ تمام علاقہ جس کا مطالبہ کیا گیا تھا مذاکرات کی میز پر نہ ملا تو وہ اسے کس طرح حاصل کرے گی؟ یا صرف انگریز کے رحم و کرم پر ہی بھروسہ تھا؟ اگر ہماری قیادت میں بصیرت و بصارت نام کی کوئی چیز تھی تو اسے اس کا اندازہ ہونا لازمی تھا۔ اگر اندازہ تھا تو ہماری قیادت نے اس کا تدارک کرنے کیلئے کیا انتظام کیا تھا؟ اگر ہماری قیادت کو اس کا اندازہ نہیں تھا تو اس قیادت کو کیا نام دیا جائے؟ اور اگر اندازہ تھا تو اس نے اس تباہی کو روکنے کے لئے کچھ بھی تو نہ کیا جو مشرقی پنجاب میں ہم پر ٹوٹی

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

(ترجمہ) ''میں بیگانوں کی (بدسلوکی) کو نہیں روتا، مجھ سے جو بھی کیا اپنوں نے ہی کیا''

کاش ہمارے ''ہیرو'' نے بھی پورے برصغیر سے مسلمان رضا کاروں کو ساتھ لیکر شمال مغرب کی طرف ماؤزے تنگ کی طرح لانگ مارچ کیا ہوتا اور انگریز سے برصغیر کی تقسیم کی بھیک مانگنے کی بجائے مسلح جدوجہد کے ذریعے پاکستان حاصل کیا ہوتا، تو ہم بھی آج چین جیسی طاقت ہوتے۔ لیکن ہمارے ''ہیرو'' نے تو زندگی میں کبھی بندوق یا پستول کو ہاتھ بھی لگایا ہوگا تو اس کے لئے جارج ششم اور ایڈورڈ ہفتم کی حکومت سے باقاعدہ پیشگی اجازت نامہ (لائسنس) حاصل کیا ہوگا۔ کاش ہمارے ''ہیرو'' نے گورنر جنرل کی کرسی کو رونق بخشنے کی بجائے مشرقی پنجاب سے آنے والے قافلوں میں سے کسی قافلے کے ساتھ پیدل سفر کیا ہوتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اس نے کس قیمت پر کیا حاصل کیا ہے۔ لیکن ....

جو گزرتے ہیں قوم پہ صدمے لیڈرانِ کرام کیا جانیں

ہندوستان میں اگر مسلمان غلام ہوئے تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ مسلمان تعداد میں کم ہو گئے تھے اور انگریز تعداد میں زیادہ آ گئے تھے۔ قلت و کثرتِ تعداد، مسلمان کا کبھی مسئلہ ہی نہیں رہا۔ انڈونیشیا آج مسلم آبادی کا ملک ہے، وہاں تو کوئی محمود غزنوی حملہ آور نہیں ہوا تھا۔ نہ ہی ان مسلمانوں نے جو ان جزیروں کے سواحل پر اترے تھے، وہاں قلت و کثرت کی بحث چھیڑی تھی اور نہ ہی ایک قومی یا دو قومی نظریہ پیش کیا تھا۔ انہوں نے وہاں پر جا کر اللہ کے واحد اور احد ہونے اور محمد ﷺ کے اللہ کے آخری رسول ہونے کی گواہی دی تھی۔ اگر قلت و کثرت ہی کی بات ہے تو برصغیر میں غیر مسلموں کی کثرت تعداد کی ذمہ داری کس پر ہے؟ کیا ہم مسلمانوں نے غیر مسلموں پر اس طرح اتمامِ حجت کر دیا تھا جس طرح انبیائے کرام کیا کرتے تھے۔ اگر یہ کام جو مسلمانوں کا فرضِ منصبی تھا اور ہے، نہیں کیا تھا تو ان کی قلتِ تعداد کی ذمہ داری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود انہیں پر ہے۔

ہندوستان میں مسلمان اس وجہ سے غلام نہیں ہوئے تھے کہ ان کی تعداد کم ہوگئی تھی اور انگریز زیادہ تعداد میں آ گئے تھے بلکہ مسلمان اس لئے غلام ہو گئے تھے کہ ان کے اندر وہ اوصاف ختم ہو گئے جو کسی قوم کو آزاد رکھ سکتے ہیں۔لیکن کیا ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک ہم مسلمانوں نے وہ جوہر پیدا کر لیا تھا جو آزادی کو قائم رکھنے کے لئے درکار تھا؟ افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔ ہم ہندوستان میں غلام اس لئے ہوئے تھے کہ ہم مسلمان رہے ہی نہ تھے۔ اگر ہمارے اندر ایمان خالص ہوتا تو ہم غلام ہو ہی نہیں سکتے۔ ہندوستان میں مسلمان ایک جداگانہ قوم تھے یا نہیں، لیکن یہ بات یقینی ہے کہ ہم وہ مسلمان نہیں تھے جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہیں، کیوں کہ مسلمانوں کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ:

''اور تم ہمت نہ ہارو اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم صاحب ایمان ہو'' (آلِ عمران ۱۳۹)

غلبہ واقتدار اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے لیکن اس کیلئے شرط صرف ایمان ہے۔صرف ایمان۔کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے قلت کثرتِ تعداد کبھی بھی مسلمانوں کا مسئلہ رہا ہی نہیں۔ مسلمان کا سرمایہ تو ہے ہی اس کا ایمان جو اس کے پاس ہے تو سب کچھ ہے اگر یہ نہیں ہے تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، کیونکہ مسلمان کو معلوم ہے کہ: ''ایسے لوگ جن کو یہ خیال تھا کہ اللہ کے روبرو پیش ہونے والے ہیں کہنے لگے کہ اکثر ایسا ہوا کہ بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آ گئیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (البقرہ ۲۴۹) چونکہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک اور نہ اس کے بعد ہم نے اپنے اندر وہ صفات پیدا کیں جو آزاد قوم کے لئے درکار ہیں تو ہم پھر سے غلام ہو گئے ہیں۔ پہلے ہم اگر عیسائیوں کے غلام تھے تو اب ہم یہودیوں کے غلام ہیں۔ کشکولِ گدائی ہاتھ میں ہے اور خیرات کے حصول کے لئے ہم آئی۔ایم۔ایف اور عالمی بنک کی ہر شرط قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔اور ہمارے وزرائے خزانہ خواہ سرتاج عزیز ہوں یا شوکت عزیز انہی کے نمائندے ہوتے ہیں۔البتہ یہ غلامی وکھری ٹائپ کی ہے۔اس لئے ہم اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ ہم آزاد ہیں۔اخلاقی طور پر ہم پست ترین مقام پر ہیں۔فراڈ اور دھوکہ دہی کی نئی سے نئی قسم ہم نے ایجاد کر لی ہے کہ شیطان بھی ہمیں استاد مان گیا ہوگا۔منافقت ہماری قومی پالیسی ہے اور یہ پالیسی ہمیں اسی جماعت سے ورثہ میں ملی ہے جس کے توسط سے ہم نے برصغیر تقسیم کروایا۔کیا ہمارے قائدین کو معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے اور اس حد تک حرام ہے کہ سود کا کاروبار کرنے والا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرتا ہے لیکن اس کے باوجود ہمارے قائدین دیدہ دلیری سے سود پر قرض لیتے رہے ہیں تو یہ منافقت ہی تو ہے۔اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کر کے ہم کس طرح فلاح پا سکتے ہیں۔؟ نام تو ہمارا ہے، اسلامی جمہوریہ پاکستان۔ پاکستان میں اسلام کس حد تک ہے؟ پاکستان ٹیلی ویژن کے پروگرام دیکھ لیں۔

بقول نفیس خلیلی مرحوم:

دیکھتا کیا ہے مرے منہ کی طرف؟
قائد اعظم کا پاکستان دیکھ!

© rasailojaraid.com